زترا

ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش' اب تین ملک ہیں، برِصغیر کے نقشہ میں' یہ تبدیلی
۱۹۷۲ء تک کے ۲۵ برسوں میں آئی ہے، اس سے پہلے کی اَن گنت صدیوں میں بھی یہ
نہیں رہا تھا البتہ ایک ہزار برس کے مسلم دورِ حکومت' اور ۹۲ برس کے برطانوی تسا
ملک میں اتحاد اور سالمیت کا تصور اُبھرا اور نمایاں اور مستحکم ہوا علاقائیت کے رجحا
طرح ختم نہیں ہو سکے لیکن ان میں بہت بڑی کمی آئی۔ ان ہزاروں برسوں کے اختلا
تہذیب، ایک مشترکہ زبان اُردو بھی متحدہ قومیت کے تصور کو مزید مستحکم کرنے کے لئے
جو کشمیر سے لیکر کرالا تک سمجھی جاتی تھی۔ قومی لباس بھی تقریباً یکساں ہو گیا۔ اگرچہ شیر
اور پاجامہ، شلوار اور دھوتی میں کچھ فرق باقی رہا —— معاشرت اور رہن سہن میں
اگر اسی طرح چند سال اور ... ی رہ جاتی تو فی الواقعہ ہندوستان کی قومیت میں
ہو جاتا، جو مثال کے طور پر جاپان، چین، انڈونیشیا اور ملیشیا یا لبنان اور روس
میں دیکھنے کو ملتا ہے جہاں مذہب اور عقیدے کی بنیاد پر لوگوں کی شناخت،
لباس وغیرہ سے مشکل ہی کی جا سکتی ہے۔

لیکن یہ صورت اس لئے ممکن نہیں ہو سکی کہ کچھ تھوڑے سے لوگوں نے

مانہ بنیت سے کام لیکر، متحدہ قومیت کے تصور کو مسترد کر کے اقلیت اکثریت کا تنازعہ
دیا، اکثریت و اقلیت کی کشمکش پیدا ہوئی، تو قدرتاً عقیدوں کے اختلافات، فرقوں کی
ب اور الگ الگ زبانوں کے تفرقہ بھی پیدا ہوئے، جنہیں انگریزوں نے اپنی سیاست اور
اپنا اقتدار مضبوط و مستحکم رکھنے کی غرض سے اور زیادہ بڑھانے، پھیلانے اور مختلف قومیتوں
قوں کے درمیان اجنبیت اور دوری میں اضافہ نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر منافرت اور
عال کی حالت جگانے کا کام کیا، اور اپنی ڈپلومیسی اور حکمتِ عملی سے قومی مسئلہ کو اس مرحلہ تک پہنچا دیا
ے بٹوارہ کے سوا کوئی دوسری شکل اس کے حل کے لئے بظاہر موجود نہیں رہی، ملک کی تقسیم
یوینے اور پھر ایسی عجلت کے ساتھ اس تقسیم کو حقیقت میں تبدیل کرنے کا کام جو اپنی جگہ ایک
کھی جا سکتی ہے، لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کیا، جو ہندوستان آنے والے تمام وائسرائوں میں سب
زیادہ ذہین اور سیاسی ثابت ہوئے۔

انگریزوں کی تفرقہ پردازی اپنی جگہ پر ہے لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اس تفرقہ
زی کے لئے یہ سرزمین حد سے زیادہ مناسب ثابت ہوئی جو کشمیر سے راس کماری تک اور درہ
ے اراکان کی پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھی اور فرقوں، ذاتوں، ذیلی قومیتوں اور علاقائی رجحانات
اروں سال پرانی روایات کے مطابق اتحاد اور انتشار کے نشیب و فراز سے گذرتی رہی تھی،
ں کے ایک قوم میں ڈھلنے کا نامکمل عمل ایک ہزار سال سے زیادہ طویل نہیں تھا اور اتنا کمزور
آسانی کے ساتھ توڑا اور روکا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جس ملکی سالمیت اور متحدہ قومیت
میں ایک ہزار سال کی مدت لگی تھی اور پھر بھی پورے طور پر تشکیل نہ ہو پائی تھی۔ اس کے بگڑنے
باد ہونے میں تیس برس کا مختصر وقت کافی ہوا، اور تقسیم ہند کے ایک زلزلہ جیسے عمل سے
ی عمارت منہدم ہو کر رہ گئی، اور ملک ذہنی طور پر صدیوں پیچھے کی صورت پر واپس لوٹ گیا
حالت پر لوٹنے میں ہندو مسلمانوں کے اس اختلاط نے ایک بار منفی اور معکوس کردار ادا کیا جو ایک

ہزار برس سے زیادہ مدت تک جاری رہا تھا، اور جو اگر اپنی قدرتی راہ پر چلتا رہتا تو یقیناً ایک قومیت کی شکل میں ڈھل جاتا، لیکن نامکمل رہ جانے کی شکل میں اس کے باقی ماندہ اثرات زیادہ سے زیادہ خطرناک بن گئے۔ اس کی مثال ہندوستان میں تو جمہوریت کی اس شکل میں دیکھی جا سکتی ہے جس کے معماروں کا اصرار ہے کہ اس پر اکثریت کی امنگوں اور خواہشوں کی گہری چھاپ بہرحال برقرار رہنی چاہیے، اس بنیادی نکتہ نے جو فضا پیدا کی اس کی بدولت اقلیتوں میں عدم تحفظ کا احساس ناگزیر تھا، اور عدم تحفظ کے احساس کی بدولت بے اطمینانی اور بے اعتمادی اور شکوک وشبہات کا ماحول قدرتی تھا۔ پھر یہ صورت صرف اکثریت اور اقلیت کے تعلقات تک محدود نہیں رہی، بلکہ ایک قومیت کا تصور ٹوٹا تو بے شمار ذیلی قومیتوں اور علاقائیت کے پرانے اور دبے دبائے تصورات ابھر آئے اور زبانوں، علاقوں، ذاتوں اور برادریوں کے درمیان کشمکش کا ایک جنگل کھڑا ہو گیا اور ایک ایسے سیاسی خلفشار کی بنیاد پڑ گئی جس میں ریاست اور اس کے عوام کے رجحانات اور میلانات میں تضاد اور تصادم کے بے شمار میدان ابھر آئے۔

مثال کے طور پر ایک سیکولر، سوشلسٹ اور جمہوری ریاست کے طور پر تو ہندوستان ایک قوم، ایک زبان، اور مساوی شہری حقوق کا علم بردار ہے لیکن عوامی سطح پر اس میں علاقائیت کے دباؤ اور قومیتوں کی مزاحمت سے اس درجہ لچک پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی سرکاری زبان کی نفاذپذیری اس وقت تک ملتوی کرنے پر مجبور ہوتا ہے جب تک علاقائی ریاستیں، از خود اسے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں، اور مثال کے طور پر ایک فیڈرل حکومت کے دستوری تصور کے خلاف علاقائیت کا دباؤ بڑھتا ہے، تو مرکز اور ریاستوں کے اختیارات کے ایک ایسے تنازعہ میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ ملک کے مختلف خطوں کی حریفانہ کشمکش کی شدت سے ایک ملک کی وحدت اور سالمیت کا تصور ہی خطرے میں دکھائی دینے لگتا ہے۔

یہ جو ہندی کو پورے ملک کی زبان بنانے کی کوشش اور غیر ہندی ریاستوں کی طرف سے ہندی کے لئے

علاقائی ریاستوں کے کسی ذریعہ تسلیم نہ کرنے کا مزاحمتی موقف اور مرکز کے اختیارات کو جوں کا توں بنائے رکھنے پر مرکزی حکومت کے اصرار اور علاقائی ریاستوں کی طرف سے مرکز کے اختیارات کو زیادہ سے زیادہ کم کرکے ان اختیارات کو ریاستوں کی طرف منتقل کرنے کا مطالبہ آئے دن تصادم جیسی ایک حالت کو پیدا کرتا رہتا ہے، اس کی اصل وجہ صرف اتنی ہے کہ ایک مصنوعی بنیاد پر تعمیر شدہ ایک مصنوعی دستور کو ایک ایسی حقیقت پر نافذ کرنے کی کوشش کی گئی، جس کا مزاج، جس کے تقاضے جس کے میلانات اور محرکات، اس دستور سے میل نہیں کھاتے تھے۔ ہمارے دستور کے معماروں کے پاس اس حقیقت کو تسلیم کرنے کی ہمت نہیں تھی کہ ملک کی تقسیم کے بعد، ایک قوم کا تصور ختم ہو گیا ہے، اگرچہ وہ اپنے دل میں ایسا ہی سمجھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں تو مشترکہ قومیت کا ڈھانچہ منتشر ہو گیا اور دستور وہی رہا، جو ملک کو ایک قوم اور ریاستوں کو اس قوم کا جزو لاینفک فرض کرکے بنایا گیا تھا۔

یہ صورت تو اس خطہ میں پیدا ہوئی جو تقسیم کے بعد ملک کے اصل حصہ کے طور پر باقی رہ گیا تھا، اور گذشتہ ایک ہزار سال کی تاریخ کے تقریباً سبھی قابلِ ذکر آثار اور یادگاروں، اور علوم و مذاہب کے سرچشموں کا مالک تھا۔ اور لال قلعہ، جامع مسجد دہلی کے علاوہ دار العلوم، مظاہر العلوم، ندوۃ العلماء، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، اور اجمیر کے سلطان الہند، دہلی کے نظام الدین اولیاء، اور کلیر کے صابری سلسلوں کی خانقاہیں بھی اسی علاقے میں تھیں، جہاں ہردوار، بدری ناتھ، بنارس، پریاگ کے دھرم استھان سارناتھ، شنکراچاریوں کے چاروں دھام، بنارس ہندو یونیورسٹی، شانتی نکیتن، متھرا اور اجودھیا جیسے روحانی مراکز واقع تھے۔ اور جو ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کی اصل تجربہ گاہ کے طور پر صدیوں قائم رہا تھا۔ لیکن اس سے الگ ہونے والے خطوں کا حال اس سے بالکل مختلف تھا، جو مذہب کی بنا پر الگ قومیت بنانے کے علم بردار تھے۔ اور جن کے ارباب انتظام کا دعویٰ تھا کہ وہ ان خطوں میں اسلام کے احکامات، اصولوں، اور مسلمانوں کی امنگوں کے مطابق، ایک ایسی حکومت تشکیل کریں گے جو عالم اسلام

کے لئے ایک ولولہ انگیز مثال ثابت ہو گی۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام ایک عالمی اور آفاقی مذہب ہے جو جغرافیائی، علاقائی، اور مختلف ارضی تقاضوں سے ماورا او مشترکہ تہذیب سے بالاتر ایک منفرد نظام کا حامل ہے، اس لئے وہ ایک ایسا خطہ چاہتے ہیں جہاں وہ اسلام کی اصل منشا اور روح کے مطابق بلا شرکت غیرے ایک اسلامی ریاست اور ایک اسلامی تہذیب کی تشکیل کر سکیں،

لیکن ۳۸ سال کے ایک طویل عرصہ میں ان علاقوں کی صورت حال کیا رہی جو ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام اور مسلمانوں کی امنگوں کے مطابق ایک مثالی نظام حکومت کی تشکیل کے پروگرام پر الگ ہوئے تھے؟ اس سوال کے جواب میں مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان اور اس کے مشرقی بازو پر جسے مشرقی پاکستان کہا جاتا تھا۔ چار سال کے قریب تو خالص مغربی طرز کی جمہوریت قائم کرنے کی کوشش جاری رہی، اس کے بعد قومی مزاج میں خشونت اور وحشت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کے قتل کے بعد تو طوائف الملوکی کا وہ دور چلا کہ تین مہینے سے لیکر ۳ دن تک کی وزارتیں وہاں قائم ہونے لگیں، اس دور کا خاتمہ بالآخر ۱۹۵۸ء کے مارشل لا کے نفاذ پر ہوا۔

پاکستان کے مشرقی حصہ میں ایک اور طوفان اٹھا جس نے پورے خطہ کو جغرافیائی، لسانی، تہذیبی اور نسلی اختلافات کی لہروں سے اس طرح جکڑ دیا کہ دو قومی فلسفہ اور مذہبی اور اسلامی وحدت کا نظریہ قومیت کی ان فلک شگاف لہروں کے تھپیڑوں میں بہہ کر اس طرح نظروں سے اوجھل ہوا جیسے اس کا کبھی وجود ہی نہ تھا۔ وحدت کلمہ اور عالمی اسلامی اخوت کے بجائے سبھی وہ عناصر ابھر کر سطح پر آگئے جن کے خلاف ایک طویل جدوجہد اور سیاسی اور ذہنی مناظرے کے بعد پاکستان عالم وجود میں لایا گیا تھا۔ اس نظریاتی تصادم، اس علاقائی کشمکش، اس لسانی اور جغرافیائی اختلاف کے ایسے بھیانک مناظر دنیا نے دیکھے کہ عہد متوسطی کی تاتاری وحشت اور خونخواری کی داستانیں ان کے سامنے گرد ہو کر رہ گئیں۔

قصہ مختصر یہ کہ ایک ہی ملک کے دو حصوں کے درمیان باقاعدہ نسلی اور فوجی تصادم میں دس لاکھ کے قریب کلمہ گو مارے گئے، اور اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں کسی اسلامی ملک کی ۹۰ ہزار مسلح فوج کے بیک وقت ہتھیار ڈالنے کا پہلا شرم ناک نظارہ مورخوں کو تاریخ میں قلم بند کرنا پڑا۔

اس سلسلہ کا سب سے زیادہ مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ جہاں مغربی پاکستان مذہبی اور اسلامی اخوت کے نظریات پر قائم ریاست میں خالص فوجی حکومتوں اور آمریتوں کا ایک سلسلہ چل پڑا، وہاں بنگلہ دیش کی تو تشکیل نیشنلزم پر مبنی حکومت کا انجام بھی اس سے مختلف نہ ہوا اور وہاں بھی بنگلہ قومیت کے علم بردار شیخ مجیب الرحمان کے خاندان سمیت بہیمانہ قتل کے بعد عملی طور پر فوجی حکمران برسر اقتدار آگئے۔ یوں پاکستان کے ان دو حصوں میں، جو دو قومی اور متحدہ قومیت کے متضاد نظریات پر آزاد ملکوں کی حیثیت سے عالم وجود میں آئے تھے، یکساں طور پر فوجی اقتدار کا دور شروع ہو گیا جس کے تحت اسلامی حکومت، جمہوری حکومت، اور محدود جمہوریت کی مختلف تحریکات جاری ہیں مگر کسی واضح سمت کے قائم ہونے کا یقین دونوں ریاستوں کے لئے موجود نہیں۔

فکری طور پر یہ بڑی تشویش کی بات ہے کہ برِ صغیر کے تینوں حصوں میں کسی بھی ایسے نظام کو اس کے خالص اصولوں اور تقاضوں کے تحت آزادانہ پھولنے پھلنے کا موقع ابھی تک نہیں مل سکا جو ان ملکوں نے اپنے نصب العین کے طور اختیار کیا تھا۔ ہندوستان کو اتنی فوقیت باقی دو ملکوں پاکستان اور ہندوستان پر ضرور حاصل ہے کہ اس نے اپنے لئے ایک دستورِ اساسی مقرر کر لیا ہے۔ باقی دونوں ملکوں میں ابھی تک دستور کا ابتدائی مرحلہ بھی طے نہیں ہو سکا جس کی وجہ ہر چیز ایک دوسرے میں گڈمڈ اور مخلوط ہو کر رہ گئی ہے۔ ۳۸ سال کی طویل مدت گزر جانے کے باوجود، ان ملکوں خصوصاً پاکستان کے لئے یہ بات تشویشناک اور حیرت انگیز ہے کہ وہاں کے لوگ ابھی تک دستور سازی کا اوّلین کام بھی مکمل نہ کر سکے۔